اقبال اور ابن سعود

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

(آخری قسط)

اقبال نے اپنے اس تاریخی انٹرویو میں عثمانی خلیفہ کو حجاز کا اقتدار سونپنے کی تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا[39]:

> "یہ تجویز نامناسب ہے اور اگر موجودہ نازک صورت حالات میں اس پر زور دیا گیا تو اندیشہ ہے کہ کہیں دنیائے اسلام کے پیچیدہ معاملات میں مزید الجھنیں نہ پیدا ہو جائیں۔ ابن سعود عام وہابیوں کا نمائندہ ہے' اور سابق خلیفۃ المسلمین سنی دنیائے اسلام کے دینی پیشوا رہ چکے ہیں۔ حجاز اس وقت عملاً" وہابیوں کے قبضے میں ہے۔ اگر اس حالت میں سابق خلیفۃ المسلمین کو حاکم حجاز بنانے کی کوشش کی گئی تو اندیشہ ہے کہ مسلمانوں کے ان دو فرقوں میں سخت کشمکش شروع ہو جائے گی۔ میں اس انتظام کو عارضی اور ہنگامی طور بھی مناسب نہیں سمجھتا۔ میری رائے یہ ہے کہ ایسی تجویز پیش کرنا ہی ایک غلطی ہے۔ میں حجاز کی موجودہ صورت حالات سے پورے طور پر مطمئن ہوں اور ابن سعود پر بدوں تذبذب اعتماد رکھتا ہوں۔ میری رائے میں سلطان نجد ایک روشن خیال آدمی ہے اور جو لوگ سلطان موصوف سے ملے ہیں یا انہوں نے نجد کو دیکھا ہے' وہ میری اس رائے کے مؤید ہیں۔ اس وقت دنیائے اسلام میں گوناگوں تغیرات کا سلسلہ قائم ہے' لیکن ابن سعود چونکہ خود نمائندگان عالم اسلام کی موتمر منعقد کرنے کے خواہاں ہیں' اس لئے توقع ہے کہ وہ اس موتمر کے فیصلے کی پابندی کریں گے ____ بہت ممکن ہے کہ عرب میں ابن سعود کے ماتحت ایک زبردست قومی تحریک نشوونما پائے _____ اور اس کے آثار و علائم نظر آ رہے ہیں۔ اس احساس خودی کا ہمیں تہ دل سے خیر مقدم کرنا چاہئے اگرچہ اس کی تہ میں تجرد و تفرید کو بھی برداشت کرنا پڑے۔ عرب فطرتاً" جمہوریت پسند ہیں اور سرزمین عرب میں کوئی مطلق العنان حکومت زیادہ مدت تک قائم نہیں رہ سکتی۔"

عبدالعزیز ابن سعود کی مجوزہ بین الاقوامی اسلامی کانفرنس پیر کی صبح 26 ذی قعدہ 1344ھ (جون 1924ء) کو مکہ مکرمہ میں شروع ہوئی اور 21 ذی الحجہ تک تقریباً" ایک ماہ جاری رہی۔ ابھی تک

جدہ اور مدینہ منورہ اشراف بنی ہاشم کے قبضے میں تھے۔ حسین بن علی اپنے بیٹے علی کے حق میں دست بردار ہو کر حجاز سے روانہ ہو چکا ہے۔ صرف طائف اور مکہ مکرمہ ابن سعود کی افواج کے زیر تسلط آ چکے تھے[40]۔ طائف میں شریف مکہ کے والی اور فوجی کمانڈر کی غلطی سے تصادم کی وجہ سے خاصا جانی نقصان ہوا تھا۔ اس کا ابن سعود کو رنج اور افسوس تھا' چنانچہ اہل مکہ کو عبدالعزیز ابن سعود نے عفو عام اور امن و احترام سے پیش آنے کا پیغام پہلے ہی بھیج دیا تھا جس کا بہت اچھا اثر ہوا۔ ابن سعود جب مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے روانہ ہوا تو احرام باندھ کر نکلا تھا۔ اس مقدس شہر پر قبضے کے بعد یہاں کے لوگوں سے ابن سعود نے جو تاریخی خطاب کیا' اس میں اس نے کہا[41]:

> "میرے نزدیک بڑا کوئی نہیں مگر کمزور یہاں تک کہ میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں اور میرے نزدیک کوئی کمزور نہیں مگر ظالم یہاں تک کہ میں اس سے حق نہ لے لوں۔ میرے نزدیک حدود اللہ کے قیام میں کوئی نرمی نہیں اور نہ میں اس سلسلے میں کسی کی سفارش سنتا ہوں۔"

ابن سعود کی دعوت پر حجاز کے متعلق اسلامی کانفرنس میں عالم اسلام کے تمام حصوں سے مسلمان زعماء و قائدین شریک ہوئے۔ کانفرنس کا افتتاحی اجلاس پیر کی صبح 26 ذی قعدہ 1344ھ کو منعقد ہوا۔ شرکاء و مندوبین کی کل تعداد انسٹھ تھی جو مختلف ممالک سے سرکاری اور غیر سرکاری وفود کی شکل میں حجاز پہنچے۔ انڈونیشیا (جو اس وقت صرف جاوا تھا)' افغانستان' ہندوستان' ایران' عراق' مصر' شام' لبنان' فلسطین' سوڈان' نجد' حجاز' عسیر' روس' ترکستان اور یمن سے سرکاری اور غیر سرکاری وفود شریک ہوئے۔" ہندوستان سے جو وفود شریک ہوئے' ان کی تفصیل یہ ہے[42]:

1- جمعیت خلافت: مولانا سید سلیمان ندوی (سربراہ) مولانا شوکت علی' مولانا محمد علی اور شعیب قریشی (ارکان)

2- جمعیت علمائے ہند: مفتی محمد کفایت اللہ (سربراہ)' مولانا احمد سعید' مولانا عبدالعلیم صدیقی اور مولانا شبیر احمد عثمانی (ارکان)

3- جمعیت اہل حدیث: مولانا ثناء اللہ امرتسری (سربراہ) مولانا حمید اللہ' مولانا عبدالواحد غزنوی اور مولانا اسماعیل غزنوی (ارکان)

کانفرنس کے افتتاحی اجلاس کی صدارت عبدالعزیز ابن سعود نے خود کی۔ حافظ وہبہ[43] نے ابن سعود کی طرف سے خطبہ استقبالیہ پڑھا جس میں مندوبین کو خوش آمدید کہتے ہوئے اس کانفرنس کو اسلامی تاریخ کی پہلی بین الاسلامی عالمی کانفرنس قرار دیا گیا اور دعا کی گئی کہ اس قسم کے عالمی اجتماع بار بار ہوتے رہیں تاکہ "تعاون علی البر و التقوی" اور "وامرہم شوری بینہم" کے اصولوں کے مطابق عالم اسلام کے مسائل کا حل نکالا جاتا رہے۔ حافظ وہبہ نے اپنے اس خطاب میں اس بات پر زور دیا کہ ماضی میں بین الاقوامی اسلامی رائے عامہ یا ملکی رائے عامہ کو کبھی کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی اور حجاز پر حکومت کرنے والوں نے باہمی مشاورت یا صلاح و فلاح حرمین کے لئے

تبادلہ خیالات کو کبھی درخور اعتناء نہیں سمجھا حالانکہ سرزمین مقدس ابتری کا شکار رہی' بلکہ ملحدوں کے ہاتھوں حرمین کی بے حرمتی بھی ہوتی رہی۔ دولت عثمانیہ کی حجاز سے بے دخلی کے بعد اشراف مکہ بھی حرمین شریفین کے تحفظ و تقدس کے کام میں ناکام رہے جس کے نتیجے میں ابن سعود کو مداخلت کرنی پڑی۔ کانفرنس کا پس منظر بیان کرتے ہوئے حافظ وہبہ نے بتایا کہ حجازیوں نے حرمین شریفین کے تحفظ و تقدس کے لئے ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس طلب کی تھی مگر ہندوستان کی بعض دینی جماعتوں کے سوا کسی نے اس میں شرکت کی دعوت قبول نہ کی' تاہم مایوس ہونے کے بجائے موجودہ کانفرنس کی تیاری کی گئی جس میں آپ سب نے شرکت قبول کی _____ مکہ مکرمہ کے ابن سعود کے تصرف میں آنے کے بعد کی کیفیت کا تذکرہ کرتے ہوئے حافظ وہبہ نے کہا:

"برادران ملت! آپ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں' اور جو آپ سے پہلے حج اور زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں' ان سے آپ سن بھی رہے ہیں کہ تمام بلاد حجاز حتی کہ حرمین شریفین کے درمیانی علاقوں میں بھی امن عامہ کی صورت حال اس درجہ کمال کو چھو رہی ہے جس کی مثال نہیں ملتی' بلکہ کئی صدیوں سے اس کے قریب قریب کی صورت حال بھی نہیں ملتی حتی کہ دنیا بھر کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور نظام حکومت اور طاقت کے لحاظ سے برتر ممالک میں بھی امن عامہ کی یہ صورت حال نہیں ملتی _____ یہ اللہ کا فضل و احسان ہے _____ چنانچہ اس امن و سلامتی اور آزادی کے سائے میں ہم احکام شریعت کے سوا کسی کے پابند نہیں ہیں۔ میں آپ کو غور و فکر اور باہم مشاورت کی دعوت دیتا ہوں تاکہ آپ حجاز کی دینی' معاشرتی اور انتظامی مصلحت کے سلسلے میں جو رائے دینا چاہیں دے سکیں' اور جس پر اسلامی دنیا کا مطمئن ہونا ضروری ہے کہ اللہ کی شریعت قائم ہو۔ اس کے احکام کی پابندی ہو' گہوارہ اسلام اور مہبط وحی میں دینی آداب کی پیروی ہو اور اس سرزمین کو ان بدعات و خرافات اور فواحش و منکرات سے پاک کیا جا سکے جو بلا روک ٹوک اس میں سرایت کر چکی ہیں اور اس سرزمین کی مکمل آزادی اور ہر قسم کے غیر ملکی اثرات سے محفوظ کرنے کی تدبیر کی جائے۔"

حافظ وہبہ نے اپنا خطاب جاری رکھتے ہوئے حرم پاک کی ترقی' توسیع اور فلاح کے کام پر زور دیا تاکہ سرزمین حجاز کی بدامنی سے تنگ آکر ہجرت کر جانے والے حجازی مسلمان واپس آسکیں اور کہا کہ حرمین شریفین کا تحفظ اور تقدس تمام ملت اسلامیہ کا مشترکہ فریضہ ہے اور ہر مسلمان کو حسب استطاعت کو اس میں شمولیت کا حق حاصل ہے۔ بین الاقوامی سیاست میں پڑنے اور تفرقہ بازی کا شکار ہونے سے بچنے کی تلقین کے ساتھ حجاز کے متعلق آزادانہ بحث و گفتگو کی دعوت دیتے ہوئے کہا:

"محترم مندوبین! آج اس کانفرنس میں آپ آزاد ہیں۔ ملک کی حکومت آپ

کو کسی بات کا پابند نہیں کرتی' اس کے بجائے آپ اپنے دین اور اس کے احکام کے پابند ہیں۔ صرف ایک گزارش کو ملحوظ خاطر رکھئے وہ یہ کہ بین الاقوامی سیاست یا بعض مسلم اقوام اور ان کی حکومتوں کے درمیان اختلافات کی بات سے اجتناب کیجئے کیونکہ یہ ان اقوام کے اپنے مخصوص مقاصد و مصالح سے تعلق رکھنے والی بات ہے ـــــ بلا شبہ مختلف مذاہب و مسالک میں مسلمانوں کا منتشر ہونا ان کی ہلاکت و تباہی کا باعث بنا ہے اس لئے آپ اس بات پر غور کیجئے کہ ان میں وحدت و الفت کیسے ہو سکتی ہے اور مصلحت اور مشترک عمومی فوائد کی خاطر باہمی تعاون کیسے ممکن ہے۔ مذہب اور نسل کو مسلمانوں کی باہمی عداوت کا سبب نہ بننے دیجئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو' منتشر مت ہونا۔ تم پر اللہ نے جو انعام فرمایا' اسے یاد رکھنا جب تم ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے تھے مگر اللہ نے تمہارے دلوں کو باہمی الفت سے جوڑ دیا' چنانچہ تم اس کی برکت سے بھائی بھائی بن گئے۔ تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ پاؤ۔ اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو دعوت الی الخیر کا فریضہ انجام دے۔ یہ لوگ نیکی کا حکم دیتے۔ رہیں اور بدی سے روکتے رہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے بھی ہیں۔ ان لوگوں کی مثل مت بنو جو الگ الگ ہو گئے اور دلائل آنے کے بعد جھگڑنے لگے۔ انہی لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔"

افتتاحی جلسے کے بعد کانفرنس کی باقاعدہ کارروائی کے آغاز میں حجازی وفد کے سربراہ (سید شرف عدنان) کو چوالیس ووٹوں کی اکثریت سے کانفرنس کا صدر اور سید سلیمان ندوی (ہندوستان) اور شیخ ضیاء الدین (روس) کو نائب صدر چنا گیا۔ کانفرنس کے ایجنڈے میں درج ذیل مسائل شامل تھے:

1- حجاز کی مکمل و مطلق آزادی۔
2- حکومت حجاز کی انتظامیہ احکام شریعت اور اسلامی طریق مشاورت کے تابع ہو گی۔
3- حجاز ایک پر امن اور غیر جانبدار ملک ہو گا جسے تمام متعلقہ ممالک تسلیم کریں گے۔
4- عالم اسلام میں حجاز کے لئے وقف جائیدادوں کا انتظام و انصرام۔
5- عین زبیدہ اور اس کی معاون نہروں کی اصلاح۔
6- محکمہ صحت کی تنظیم نو۔ تاکہ حجاج و زائرین کے لئے طبی سہولتوں کو بہتر بنایا جا سکے۔
7- منیٰ میں ذبح ہونے والے قربانی کے جانوروں کے گوشت کا بہترین مصرف
8- حرمین میں علوم اسلامیہ خصوصاً تفسیر و حدیث کی تدریس کا بہترین انتظام
9- مبلغین اسلام کی تیاری کے لئے سرزمین حجاز میں ایک خصوصی تربیت گاہ کا قیام

10- اخوت اسلامی کے اصولوں پر افراد ملت کا تعارف و تعاون بڑھانے کے لئے نظام وضع کرنا
11- کانفرنس کے فیصلوں کو عملی شکل دینے کے لئے وسائل کی تعیین
12- اس اسلامی کانفرنس کو سالانہ اجلاسوں کی بنیادوں پر جاری رکھنے کے لئے موزوں نظام تشکیل دینا[44]۔

کانفرنس کے بارہ اجلاس منعقد ہوئے مگر بیشتر وقت طریق کار، وفود کی تقاریر، تجاویز، مختلف فیہ فقہی مسائل پر بحث اور بے شمار اعتراضات کی نذر ہو گیا۔ کانفرنس کے ایک سرگرم کارکن اور مندوب حافظ وہبہ نے اس بے کار اور بے نتیجہ بحث پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن سعود بڑا دور اندیش اور حاضر دماغ رہنما تھا' چنانچہ اس نے شروع ہی سے مندوبین کو بین الاقوامی سیاست اور مسلمانوں کے اختلافی مسائل سے اجتناب کا مشورہ دیا اور کہا تھا کہ دین اسلام کے اصول و مبادی کی روشنی میں حجاز کے مستقبل اور حرمین شریفین کے تحفظ و تقدس کے انصرام کے متعلق عملی تجاویز دی جائیں[45]۔ جب کانفرنس کی مقررہ میعاد ختم ہونے لگی اور کچھ وفود بددل ہو کر واپسی کی تیاری کرنے لگے تو ابن سعود نے کانفرنس کے نام یہ بیان[46] جاری کرنا ضروری خیال کیا:

"الحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ و آلہ و صحبہ و من والاہ! میں نے مسلم سلاطین، سربراہوں اور اقوام کو جو دعوت دی تھی اور جس کے مطابق حکومتوں اور مسلم اقوام نے اپنے نمائندے یہاں بھیجے ہیں، اس کا انحصار صرف سرزمین حجاز کی بھلائی، ترقی اور اس کے دینی، علمی اور اقتصادی معیار بہتر بنانے تک تھا۔ مجھے بھی پوری ملت اسلامیہ کی طرح آپ حضرات سے توقع تھی کہ آپ اس ضمن میں کوئی وسیع تر منصوبہ تجویز کریں گے۔ مگر یوں لگتا ہے کہ ہم پہلی کانفرنس ہی میں ہر کام انجام دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ مگر مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ ہم ہر کام ابھی انجام دینے کی کوشش میں، ہر کام میں ناکام ہوں گے۔ بہترین طریقہ یہ ہے کہ تدریجی سفر کیا جائے کیونکہ بسا اوقات جلد بازی تاخیر کا باعث ہوتی ہے۔

برادران اسلام! میں اگرچہ آپ کی بحث و گفتگو میں شریک ہونے کے لئے آپ کی مجلس میں حاضر نہیں ہوا اور آپ کی گفتگو کی تفصیل سے آگاہ نہیں، مگر روحانی طور پر میرا آپ سے تعلق اور وابستگی قائم ہے۔ میں آپ کی کامیابی کو بے حد اہمیت دیتا ہوں تاکہ آپ دنیا پر یہ ثابت کر سکیں کہ مسلمان جینے کے اہل ہیں اور اس کائنات میں انہیں زندہ رہنے کا حق ملنا چاہئے۔ ان کا مذہب ان کی راہ میں حائل نہیں خواہ ان میں افکار و آراء کا اختلاف بھی موجود، کیوں نہ ہو۔ عوامی مصلحت کے سامنے سب ایک ہیں۔ خواہشات نفسانی اور اغراض ذاتی ان کے دلوں میں راہ نہیں پا سکتیں۔

برادران ملت! میرا مقصد روئے زمین پر سرکشی دکھانا یا فساد برپا کرنا

نہیں ہے۔ مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ مسلمان اپنے عہد اول کی طرف رجوع کریں _____ سعادت و قوت کا عہد _____ صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کا عہد مبارک۔ دلوں کو یکجا کرنے اور ان میں وحدت و یک رنگی پیدا کرنے کے لئے اس سے زیادہ موثر اور کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ ہم اپنی خواہشات و اغراض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے تابع کر دیں۔ اصلاح کا یہ پودا لگانے کے لئے روئے زمین پر کوئی خطہ موزوں نہیں ہو سکتا، سوائے اس خطہ پاک کے جہاں سے آفتاب اسلام طلوع ہوا۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ ان تمام علمائے حق کی بات کو برتری حاصل ہو اور ان کی رائے نافذ ہو جو حق کی راہ میں کسی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ تمام اسلامی ممالک صاحب بصیرت و مہارت علماء سے بھرے پڑے ہیں۔ ہر قوم کو اپنے ایسے علماء کی ایک جماعت بھیجنی چاہئے تاکہ وہ وعظ و ارشاد کا فریضہ انجام دیں اور اس ملک میں وہی چیزیں برقرار رکھنے کی تلقین کریں جنہیں برقرار رکھنا ضروری ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ اس ملک میں دینی اصلاح کی شدید کمی ہے۔ آپ اصلاح کے اس کار خیر میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ ہم آپ کے شکرگزار ہوں گے۔ آپ کی موجودگی سے ہمیں تقویت پہنچے گی۔ ہمیں اس راہ میں تنہا چھوڑ دینا اور ایک ملامت گر نکتہ چیں کا کردار ادا کرنا اس اسلامی اخوت کا تقاضا نہیں جو ہم سب کو ایک بناتی ہے۔

برادران ملت! ہم یہ بات ناپسند نہیں کرتے کہ کوئی مسلمان ایک خاص مسلک اپنائے یا دین کے معاملے میں کوئی خاص راستہ اختیار کرے کیونکہ یہ کام علمائے دین اور حاملین شریعت کا ہے، مگر میں یہ بات کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا کہ ایسی بدعات اور خرافات کا مظاہرہ کیا جائے جن کا کوئی شرعی جواز یا مقام نہیں یا جنہیں فطرت سلیمہ گوارا نہیں کرتی۔ کسی سے اس کے عقیدے یا مسلک کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جائے گا، مگر یہ بھی درست نہیں کہ کوئی کسی ایسی بات کا مظاہرہ کرے جو اجماع مسلمین کے خلاف ہو یا مسلمانوں میں خوفناک فتنہ بھڑکانے کا باعث ہو۔ ہمارے لئے بہتر یہ ہو گا کہ ہم مسلمانوں کی مصلحت پر نظر رکھیں اور یہ جزئیات علماء کے لئے چھوڑ دیں کیونکہ وہ ان پر ہم سے زیادہ توجہ دے سکتے ہیں۔

برادران اسلام! مجھے یقین ہے کہ یہ موقع ضائع نہیں ہو گا اور حج کی آمد سے قبل یہ مقدس دیار آپ سے مستفید ہو کر رہیں گے، اور حج پر آنے والے مسلمان یہ محسوس کریں گے کہ آپ نے دیار مقدسہ کے متعلق اپنا

فریضہ انجام دے دیا ہے۔ ہم اس موقع پر آپ کے سامنے دیار مقدسہ کے لئے اپنا سیاسی منصوبہ پیش کرتے ہیں تاکہ اگر ہم غلطی پر ہوں تو ہماری رہنمائی کر دیجئے' اور اگر ہمارا موقف درست ہے تو ہماری تائید فرمائیے[47]:

1- ان بلاد مقدسہ میں ہم کسی قسم کی بیرونی مداخلت کی اجازت نہیں دیں گے۔
2- ہم کسی کے لئے خاص امتیازی سلوک کی اجازت نہیں دیں گے' بلکہ یہاں آنے والے سب لوگ شریعت اسلامیہ کے ضوابط کے تابع ہوں گے۔
3- بلاد حجاز کے لئے خاص غیر جانبدارانہ نظام وضع کیا جانا چاہئے۔ نہ اس سے کوئی لڑے اور نہ کسی سے یہ لڑے۔ تمام اسلامی حکومتوں کو اس غیر جانبداری کی ضمانت دینی چاہئے۔
4- تمام اسلامی ممالک سے آنے والے صدقات و خیرات کے وسائل و مسائل' ان کے جمع خرچ اور ان سے بلاد مقدسہ کے استفادے کی نگرانی کا انتظام کیا جائے۔

یہ تھیں وہ باتیں جو میں آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر نظر کرم رکھیں اور ہمیں اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کی توفیق بخشے!"

ابن سعود کا یہ بیان 21 ذی الحجہ 1344ھ کو کانفرنس میں پڑھا گیا جس کے بعد بقیہ اجلاس باقاعدگی سے منعقد ہوئے۔ کانفرنس کا آخری اور اٹھارھواں اجلاس پیر کے دن 24 ذی الحجہ کو منعقد ہوا جو پانچ گھنٹے تک جاری رہا۔ اس میں عقبہ اور معان کو حجاز کے بجائے شرق اردن میں شامل کرنے پر احتجاج کیا گیا اور جدہ سے مکہ تک ریلوے لائن کے مسائل زیر بحث آئے۔ اختتامی اجلاس کی ایک خاص بات علامہ شبیر احمد عثمانی کا عربی میں اختتامی خطاب تھا جس کا مختصر جائزہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ علامہ موصوف نے عالمانہ تواضع سے گفتگو کا آغاز کیا اور اپنی بے بضاعتی' فصیح عربی اور عدم قدرت اور ماہرین و فضلاء کی موجودگی میں کانفرنس کے دوران خاموش رہنے کا ذکر کیا[48]۔ حج و زیارت کے راستے اور سفر محفوظ بنا دینے پر ابن سعود کا شکریہ ادا کرتے ہوئے واضح کیا کہ امت اسلامیہ کا اتحاد اہم ترین عنصر ہے' اور جب تک حجاز کی حکومت مقامی طور پر مستحکم نہ ہو گی' کوئی کوشش مفید نہ ہو گی[49]:

"حضرات! ہم نے کانفرنس کے احوال مع کیف و کم مشاہدہ کیے ہیں۔ پسندیدہ و ناپسندیدہ مراحل سے گزر رہے ہیں۔ ہم خوش بھی ہوئے' ناراض بھی ہوئے' اور مسرت و الم کے درجات سے بھی گزر رہے ہیں۔ بحث اور گفتگو کے دوران کچھ کدورت اور ناپسندیدگی کی کیفیت بھی رہی حتیٰ کہ بعض بھائیوں سے بعض کے متعلق ایسی باتیں بھی سننے میں آئیں جو موجب شکوہ بنیں بلکہ

جس شخص کو اجتماعات کے معاملات کا عملی تجربہ یا مشق نہ تھی' وہ یہ گمان کر بیٹھا کہ فلاں بھائی نے فلاں بھائی کی توہین کر دی ہے اور اس نے اپنے ساتھی کی ناموس پر حملہ کیا ہے۔ مگر میرا خیال یہ ہے' واللہ اعلم! اور اس نے ہمیں مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن کا حکم بھی دیا ہے اور ہم کسی کی صفائی بھی نہیں دے رہے ____ کہ یہ بحث و گفتگو کسی کینے یا بغض کے سبب نہ تھی بلکہ یہ سب کچھ بے حد اخلاق اور حسن نیت و مقصد کی وجہ سے تھا۔ رائے غلط یا صحیح ہوا ہی کرتی ہے۔ شاید یہ سب باتیں ویسی ہی تھیں جیسے حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام کے مابین پیش آئی تھیں۔ جب حضرت موسیٰؑ غضب و تاسف کے عالم میں اپنی قوم کے پاس لوٹ کر آئے' تختیاں پھینک دیں اور بھائی کو داڑھی اور سر سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے تو ہارونؑ نے معذرت کی اور کہنے لگے ("اے میرے بھائی! میری داڑھی اور سر نہ پکڑیے! مجھے ڈر اس بات کا تھا کہ کہیں آپ یہ نہ کہنے لگیں کہ تو نے بنو اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا ہے") یا جو لشکر اسامہؓ کے ضمن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان پیش آیا تھا جیسا کہ طبری وغیرہ نے ذکر کیا ہے یا اس کے علاوہ ایسے ہی بہت سے واقعات ہیں' اس لیے اگر ہم میں سے کسی نے کانفرنس کے دوران اپنے بھائی کی داڑھی پکڑی ہو تو ہم سب کا فرض ہے کہ کانفرنس کے ختم ہونے سے پہلے وہ باتیں کہہ ڈالیں جو غصہ ٹھنڈا پڑ جانے کے بعد حضرت موسیٰؑ نے کہی تھیں "اے پروردگار! میری اور میرے بھائی کی مغفرت فرما دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر کہ تو ارحم الراحمین ہے"۔ یہی بات سچے مومنوں اور مخلص مصلحین کا شیوہ ہے۔"

علامہ شبیر احمد عثمانی کے اس خطبے کے بعد کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔ اسی روز شام کو شاہ ابن سعود نے مندوبین کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ عشائیے کے دوران ابن سعود نے مندوبین کے سامنے اپنے مقاصد اور آئندہ پروگرام کی وضاحت کرتے ہوئے ملت اسلامیہ کی وحدت اور بیداری پر زور دیا اور بتایا کہ اسلام کی آمد سے قبل عرب ایک کمزور اور ناکارہ قوم تھے جو ہمیشہ روم و ایران کے زیر دست رہے مگر اسلام کی آمد سے اللہ تعالیٰ نے انھیں عزت و سربلندی عطا فرمائی۔ اسلام میں عرب و عجم کی تفریق نہیں کیونکہ بلال حبشیؓ اور صہیب رومیؓ نے اسی دین کے طفیل عزت پائی مگر ابوجہل اور ابولہب ذلیل ہو گئے۔ آخر میں بادشاہ نے کلمات تشکر میں کہا[50]:

"اے برادران اسلام! میں آپ سب کا شکر گزار ہوں کہ آپ اتنی مشقتیں اٹھا کر اس مبارک مقام پر آئے اور دین کے سوا اور کوئی محرک بھی نہ تھا' اس لئے اللہ تعالیٰ آپ کے کام میں برکت دے۔ آپ اپنے ابتدائی اقدامات ہی سے ثابت کر رہے ہیں کہ جو اعتماد مسلمانوں نے آپ پر کیا' آپ اس کے

> مستحق تھے اور جو امانت آپ کے سپرد ہوئی تھی' وہ آپ نے پوری کر دی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی توفیق بخشے۔ اپنے دین کی مدد فرمائے اور اپنا کلمہ بلند کرے۔"

قسط دوم

ابن سعود ایک ابھرتی ہوئی نئی طاقت تھا جس کا دل جذبہ توحید اور عقیدہ سلفیہ سے معمور تھا۔ اس نے عالم اسلام کے زعماء کے ساتھ براہ راست رابطے سے وامرھم شوری بینھم کا مدعا پورا کر کے امت اسلامیہ کا اعتماد حاصل کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی مغربی سامراج کی سازش اور ریشہ دوانیوں سے ترکان عثمانی کا جو حشر ہوا' اور اشراف مکہ نے فرنگیوں کے دھوکے میں آکر جو کردار ادا کیا' اس سے بھی یہ زعمائے اسلام پوری طرح آگاہ ہو گئے تھے' اپنی مطلب براری کے بعد انگریزی سامراج تو پہلے ہی ابن سعود کو مطمئن کر چکا تھا اس لیے حجاز پر مکمل تسلط کی راہ میں اب کوئی رکاوٹ نہ رہی تھی۔ شریف مکہ امیر حسین حجاز سے پہلے ہی نکل چکا تھا۔ اب اس کا بیٹا علی اپنے باپ کے وارث تخت کے طور پر باقی رہ گیا تھا جو جدہ میں مقیم تھا اور مدینہ منورہ بھی برائے نام اس کے تسلط میں تھا۔ لیکن علی بن حسین ایک سمجھدار انسان تھا اور مسلمانوں کی خوں ریزی کو بھی ناپسند کرتا تھا۔ معمولی سی فوجی نقل و حرکت اور گفت و شنید کے بعد وہ حجاز کی حکومت سے دست بردار ہو گیا[51] چنانچہ ابن سعود کو متفقہ طور پر شاہ حجاز (ملک الحجاز) تسلیم کر لیا گیا۔ ابتدا میں تو وہ سلطان نجد اور شاہ حجاز کہلایا مگر بہت جلد اصحاب حل و عقد کے مشورے کے بعد نجد و حجاز کو ملا کر ایک مملکت بنا دیا گیا اور عبدالعزیز بن سعود موجودہ مملکت سعودی عرب (ملک المملکۃ العربیۃ السعودیہ) کا فرمانروا تسلیم کر لیا گیا[52]۔

ابن سعود بڑا دور اندیش' باخبر اور مردم شناس حکمران تھا اور تاریخی و ثقافتی روابط کے ضمن میں محترم و موثر شخصیات کے کردار سے بھی آگاہ تھا۔ برصغیر کی ملت اسلامیہ کے زعماء کو وہ خاص اہمیت دیتا تھا اور ان میں سے اکثر کے ساتھ اس کی خط و کتابت اور ملاقات تھی[53] لیکن ایسے شواہد میسر نہیں آسکے جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ علامہ اقبال اور ابن سعود کے مابین براہ راست کبھی رابطہ قائم ہوا ہو۔

زندگی کے آخری ایام میں اقبال نے حج بیت اللہ اور زیارت شہر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پختہ عزم کر لیا تھا اور اس سلسلے میں سفر کی تیاریاں بھی شروع کر دی تھیں[54] مگر بینائی کی کمزوری اور جان لیوا بیماری نے مہلت نہ دی۔ اگر اقبال زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو جاتے اور موسم حج میں اسلامی دنیا کی نمایاں شخصیات کے اعزاز میں منعقد کی جانے والی شاہی ضیافت میں شریک ہوتے تو ابن سعود سے ان کی ملاقات یقینی تھی۔ اقبال نے سرزمین حجاز کے لیے (ارمغان حجاز) کی شکل میں جو شعری تحفہ تیار کیا تھا' اس کی رباعیات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اقبال ابن سعود سے مل کر ملت اسلامیہ کی بیداری اور احیائے اسلام کی تحریک کا آغاز کرنے کے آرزو مند تھے[55]۔

کسی مسلم فرمانروا کے ساتھ مل کر یہ نیک کام انجام دینے کی آرزو اقبال کے دل میں ہمیشہ سے موجود تھی[56] اور ان کا یہ خیال سو فیصد درست تھا کہ کلیمی کے لئے عصا ضروری ہے اور احیائے اسلام کی تحریک اس وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب اقبالی فکر کو ابن سعود جیسی سیاسی قوت نصیب ہو جائے۔ جس طرح محمد بن عبدالوہاب کی اصلاحی تحریک آل سعود کے اقتدار کی مرہون منت ہے' اسی طرح فکر اقبال کو بھی اگر ایسا ہی مخلص حکمران سرپرست مل جاتا تو شاید بہتر اور زیادہ زوردار انداز میں اس فکر کو عام کیا جا سکتا تھا ہو سکتا ہے اس سے اقبال کی عوامی مقبولیت اور شہرت میں کوئی فرق آتا لیکن اسلام اور عالم اسلام کے لئے جو کچھ اقبال نے سوچا تھا' اسے آسانی اور صحت کے ساتھ حقیقت کا روپ دیا جا سکتا تھا۔ اقبال ایک شاعر توحید تھا' وہ شرک کو انسانی عمل کا دشمن اور کاروان زندگی کے لئے' رہزن تصور کرتا تھا[57]۔ وہ بیت اللہ کو ملت کا پاسبان اور علامت اتحاد قرار دیتا تھا۔ مرد صحرائی اور سرزمین حجاز سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی بھی اسے امید تھی۔ ابن سعود نہ صرف مرد صحرائی اور سرود نجد و حجاز تھا بلکہ علم توحید کے سائے میں ملت اسلامیہ کو پھر سے کاروان حجاز کی راہوں پر گامزن کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح اقبال اور ابن سعود کی ملاقات و مشاورت سے تحریک احیائے اسلام کی امید وابستہ کی جا سکتی تھی۔

یہ حقیقت کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ سرزمین حجاز یا دوسرے لفظوں میں ارض حرمین شریفین کو اقبال کے فکر و شعر میں بلند ترین بلکہ اہم ترین مقام حاصل ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اقبال کے فکر و شعر کا نقطہ آغاز بھی سرزمین حجاز تھی اور ذروۂ کمال و نقطہ عروج بھی یہی سرزمین حرمین تھی۔ اقبال اول و آخر اولین گہوارہ اسلام کا ترجمان اور تہذیب حجاز کا نمائندہ تھا۔ اس کی امنگوں کا محور اور جہاد زندگانی کا مرکز بھی یہی تھا اور آرزوئے مدفن بھی یہی سرزمین پاک تھی۔ وہ جیا تو محبوب حجازی کی عطا کردہ شریعت و تہذیب کی سربلندی کے لئے اور مرا تو بھی سرزمین حجاز ہی کی آرزو میں۔ وہ پیدا ہوا تو کان میں نوائے حجاز ہی سنی اور جب دم واپسیں آن پہنچا تب بھی اس کے ہونٹوں پر نغمہ حجاز تھا' اور اس کے شعور و احساس کو نسیم حجاز کے جھونکے فردوس بریں کی بشارتیں دے رہے تھے۔

سرود رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگار ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید!

اقبال نے اپنے شعر میں سرزمین حجاز کو مختلف ناموں سے یاد کیا ہے' ارض حرم' وادی بطحا' وادی یثرب' وادی نجد' غار حراء' ریگ حجاز' بدر و حنین اور شتربانوں کا گہوارہ وغیرہ' یہ اور اس قسم کے دیگر الفاظ و تراکیب اقبال کی شاعری میں دراصل ایسی علامات ہیں جو سرزمین حجاز اور تہذیب حجازی کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اقبال کو شکایت تھی کہ سرزمین حجاز نے پھر کسی خالد سیف اللہ یا فاروق اعظمؓ کو جنم نہیں دیا[59] لیکن یہ امید ضرور تھی کہ اسلام کے شیر ایک مرتبہ پھر بیدار ہو کر

صحرائے حجاز سے علم توحید لے کر نکلیں گے' اس لئے امت کی حفاظت و قیادت اور ناموس انسانیت کے تقدس کے لئے اقبال کو ایک مرد قہستانی اور بندہ صحرائی کی تمنا رہی' اور جب اسے عبدالعزیز ابن سعود کی صورت میں سرزمین نجد و حجاز سے ایک پرعزم مرد صحرا نئے جوش اور ولولے کے ساتھ علم توحید لئے اٹھتا ہوا دکھائی دیا تو اقبال بلا تردد اس کی تائید و حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر جب اس نے سفر حجاز کا ارادہ کیا اور "ارمغان حجاز" کی شکل میں اپنا آخری شعری مجموعہ مرتب کر کے سالار حجاز و میر کاروان اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کرنے کا عزم کیا تو اس شعری مجموعے میں ابن سعود کو عزم و ہمت' جذب و شوق' ہوش و بیداری اور خودداری کو اپنا شعار بنا کر تہذیب حجازی کا حقیقی علمبردار بننے اور ملت اسلامیہ کے لئے نمونہ قیادت مہیا کرنے کا فریضہ انجام دینے کی تلقین بھی ضروری سمجھی۔

قومی اور بین الاقوامی سطح پر شاہ عبدالعزیز ابن سعود کے واضح اور صحیح موقف کی مکمل حمایت کے علاوہ اقبال نے اسے اپنی شاعری میں بھی جگہ دی۔ "جاوید نامہ" علامہ محمد اقبال کا عظیم الشان تخلیقی کارنامہ اور فکر و شعر کی دنیا کا ایک شاہکار ہے جس نے شاعر سے جسم و جاں کا خراج لے کر اسے نڈھال تو کر دیا تھا مگر خود شاعر کو بھی "زندہ رود" کی حیثیت سے غیر فانی بنا دیا۔ اقبال نے اپنے اس عظیم شعری کارنامے میں جن نادر روزگار ہستیوں کا ذکر کیا ہے' ان میں سے ایک عبدالعزیز ابن سعود بھی ہیں۔

"جاوید نامہ" کا قاری اقبال کے تخیل بلند کے دوش پر محو پرواز ہوتا ہے کہ اچانک ایک زوردار برق بتاں پانی کے اندر کوندتی چمکتی دکھائی دیتی ہے۔ امواج میں ایک ہلچل سی مچ جاتی ہے۔ پھر باغ جنت الفردوس سے اڑتی ہوئی خوشبو آتی ہے اور ماحول کو مہکا دیتی ہے۔ یہ درویش اسلام مہدی سوڈانی کی روح اقدس کے ظہور کا منظر ہے۔ اس روح سرمدی کی تڑپ اور سوز جگر دوز سے گوہر ہائے تابدار بھی پگھل پگھل جاتے دکھائی دیتے ہیں۔ راندہ درگاہ ازلی اور شقی زمانہ (لارڈ کچنر) کے سینہ سوختہ میں حسرتوں کے پتھر بھی گلتے سڑتے نظر آتے ہیں۔ ایسے میں مہدی سوڈانی کی روح پکار اٹھتی ہے اور زبان اقبال سے یوں اظہار مدعا کرتی ہے[60]۔

گفت "اے کشنر! اگر داری نظر
انتقام خاک درویشے نگر
آسماں خاک ترا گورے نداد
مرقدے جز دریم شورے نداد!

پھر اچانک سوڈان کے مرد درویش کی آواز بھرا جاتی ہے۔ کچنر کو پکارنے اور للکارنے والا رعب و جلال ایک عجب حسرت و ملال میں تحلیل ہونے لگتا ہے۔ ایک آہ پرسوز و جگر دوز سنائی دیتی ہے جو سرزمین حجاز کے ساتھ ساتھ بلاد عرب و افریقہ کو مخاطب کرتے ہوئے روح عرب کو جھنجھوڑتی ہے۔ عراق کے شاہ فیصل' مصر کے شاہ فواد اور حجاز کے شاہ ابن سعود کو روح عرب کے زندہ نمائندے تصور کرتے ہوئے انہیں خالدؓ سیف اللہ اور فاروق اعظمؓ جیسی روش اختیار کرنے کی تلقین کرتی

ہے اور سہمے ہوئے سیاہ فام افریقہ سے بھی بڑے پرسوز و پردرد لہجے میں التجا کرتی ہے کہ آزمائش کے مرحلے سے گزرنے کے لئے میدان عمل میں کود پڑیں کیونکہ ایک ارشاد نبوی کی رو سے بندہ مومن کے لئے آزمائش کا مرحلہ کھرا کھوٹا الگ الگ کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اور امتحان کے وقت ہی مرد کی قدر پہچانی جاتی ہے۔[61]

گفت، اے روح عرب بیدار شو
چوں نیاگاں خالق اعصار شو
اے فواد، اے فیصل، اے ابن سعود
تا کجا برخویش پیچیدن چو دود
زندہ کن در سینہ آں سوزے کہ رفت
در جہاں باز آور آں روزے کہ رفت
خاک بطحا خالدے دیگر بزاے
نغمہ توحید را دیگر سراے
اے نخیل دشت تو بالندہ تر
برنخیزد از تو فاروقے دگر
اے جہان مومنان مشک فام
از تو می آید مرا بوئے دوام
زندگانی تا کجا بے ذوق سیر
تا کجا تقدیر تو در دست غیر
بر مقام خود نیائی تا کجے
استخوانم در بدن نالد چونے
از بلا ترسی؟ حدیث مصطفیٰ است
مرد را روز بلا روز صفا است

جیسا کہ ذکر ہوا، شاہ عبدالعزیز ابن سعود ایک دور اندیش و مصلحت بیں حکمران تھا اور موقع شناس ہونے کے ساتھ ساتھ جوہر شناس بھی تھا۔ یہ بھی مذکور ہو چکا ہے کہ ابن سعود نے برصغیر کے متعدد اہل علم و دانش اور مسلم زعماء سے براہ راست روابط اور مراسلت کا سلسلہ بھی قائم کر رکھا تھا۔ حرمین شریفین کے مستقبل کے بارے میں بلائی جانے والی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس میں بھی حجاز کے بعد برصغیر کے علماء و زعماء کی تعداد سب سے زیادہ تھی جن میں علامہ سید سلیمان ندوی بھی شامل تھے۔ علامہ ندوی کے اقبال سے جو تعلقات تھے، وہ محتاج بیان نہیں۔ چونکہ اقبال اور ابن سعود کے براہ راست روابط کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اس لئے عین ممکن ہے کہ سید سلیمان ندوی جیسے ثقہ دوست نے ابن سعود کی شخصیت اور موقف کے بارے میں اقبال کو معلومات فراہم کی ہوں یا ہو سکتا ہے کہ اقبال نے میسر آنے والے وسائل معلومات سے خود ابن سعود کی

شخصیت اور اہمیت کا اندازہ لگا لیا ہو کیونکہ عالم عرب کی سیاسی سطح پر ابن سعود کا ظہور ایک چونکا دینے والا واقعہ تھا۔ اقبال ایسے علماء و زعماء کا مداح تھا جو اپنے ہاتھ سے اپنی تقدیر لکھ کر تاریخ انسانی میں زندہ جاوید بنتے رہے ہیں۔ عبدالعزیز ابن سعود بھی تاریخ اسلامی کے ایسے ہی ابطال میں سے ایک تھا جو راستے کی تمام رکاوٹوں کو اپنے عزم و ہمت اور تدبر و حکمت سے دور کرتا رہا اور مشکل سے مشکل وقت میں بھی اپنے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی۔ وہ پورے حوصلے کے ساتھ آگے بڑھتا رہا اور بالآخر ایک ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا جو آج اسلامی دنیا کی قیادت کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔ شاہ فیصل مرحوم جیسا مخلص اولوالعزم رہنما بھی اس ابن سعود کا عظیم فرزند تھا جس نے اسلامی دنیا کی قیادت و رہنمائی میں' ایک نازک وقت میں' بڑا بھرپور اور موثر کردار ادا کیا۔ عبدالعزیز ابن سعود کے متعلق بیان کیا جاتا ہے[62] کہ وہ فیصلہ کن اور پرخطر لمحات میں عربی کا یہ شعر پڑھ کر اپنا اور اپنے رفقاء کا حوصلہ بڑھایا کرتا تھا۔

لا ستهلن الصعب او ابلغ المنى
فما انقادت الآمال الا لصابر

(میں مشکل کو ہر حال میں آسان کر کے رہوں گا یا اسی راہ
میں کام آ جاؤں کیونکہ مقاصد اور آرزوئیں تو صرف
اہل صبر و استقامت کی مطیع ہوا کرتی ہیں)

بہرحال "ارمغان حجاز" میں اقبال نے جو رباعیات ابن سعود کے لئے مختص کی ہیں' ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی شخصیت' بلند عزائم' مشکلات و خطرات میں ثابت قدمی' دنیائے فرنگ کے نزدیک اس کی اہمیت اور سب سے بڑھ کر عالم اسلام کے لئے اس کے قائدانہ کردار کے امکانات سے اقبال پوری طرح آگاہ تھا۔ امام محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرح اقبال بھی کلیمی کے لئے عصا کی اہمیت کا قائل تھا اور کسی مسلمان حکمران کے ذریعے اپنے افکار و عزائم کو عملی حقیقت کا روپ دے کر اسلامی دنیا کی خدمت کرنا چاہتا تھا' اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ دوران حج ابن سعود کے پاس پہنچ کر اسے اپنے افکار و عزائم سے آگاہ کرنا چاہتا ہو تاکہ علم و عمل کے اجتماع اور امتزاج سے عالم اسلام کی خدمت و قیادت کا سامان ہو سکے۔

عبدالعزیز ابن سعود کے بارے میں اقبال کی آرزو تھی کہ ابن سعود جس تحریک اصلاح (تحریک وہابیت یا عقیدہ سلفیہ کے احیاء) کا علمبردار بن کر اٹھا ہے' اس کے لئے رہنمائی کا سامان صرف کتاب اللہ اور سنت نبوی ہی سے حاصل کیا جائے تاکہ وہ ہمیشہ اطاعت نبوی سے "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" (جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی[63]) کے انعام و احترام کا مستحق قرار پائے۔ اقبال کو یقین تھا کہ ابن سعود ایک راسخ العقیدہ موحد اور پابند شریعت حکمران ہے۔ لیکن اقبال کو خدشہ تھا کہ جب وہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو گا اور شہر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو گا تو محبت و اطاعت سے مغلوب ہو کر کوچہ محبوب حجازی میں آنکھوں سے جھاڑو دینے پر مجبور ہو جائے گا' ابن سعود چونکہ ایک موحد اور محمد بن عبدالوہاب کا سچا

پیروکار ہے' شاید وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ توحید کا علمبردار ہوتے ہوئے بھی اقبال غیر اللہ کو سجدہ کر رہا ہے۔ مگر اقبال نے اس کا جواب بھی سوچ لیا تھا کہ یہ سجدہ نہیں بلکہ میں تو اس ہستی کے در پر فقط اپنی آنکھوں سے جھاڑو دے رہا ہوں کہ یہی محبوب حجازیؐ تو تیرا اور میرا ہادی و رہنما ہے[64]۔

تو ہم آں مے بگیر از ساغر دوست
کہ باشی تا ابد اندر بر دوست
سجودے نیست اے عبدالعزیز ایں!
بروبم از مژہ خاک در دوست

ابن سعود ایک موحد' مخلص اور سلفی تحریک کا سرپرست و مربی تھا۔ اس تحریک کا آغاز اس کے جد امجد امام محمد بن سعود اور امام محمد بن عبدالوہاب نجدی نے مشترکہ طور پر ایک تاریخی معاہدے کے بعد کیا تھا۔ اقبال بھی نغمہ توحید کا شاعر تھا اور عقیدہ توحید کی قوت قاہرہ کا نقیب و ترجمان تھا۔ ابن سعود شاہ نجد و حجاز تھا جبکہ اقبال ایک فقیر بے نوا' تاہم اللہ تعالیٰ نے اسے شعر و فکر کی دنیا کی فرماں روائی سے سرفراز کیا تھا۔ عقیدہ توحید سے گوشت پوست کے انسان میں عزم و ہمت اور قوت و ہیبت کا ایک جہان ناپید اکنار موجزن ہو جاتا ہے۔ اقبال چاہتا تھا کہ یہ جہان ناپیدا کنار جو عقیدہ توحید کے سبب اس کے قلب و ضمیر میں کار فرما ہے' اس کا ابن سعود جیسا مرد مومن و موحد بھی مشاہدہ کر لے تاکہ علم توحید کے زیر سایہ دنیائے اسلام کی تعمیر و ترقی کا کام انجام دیا جا سکے[65]۔

تو سلطان حجازی' من فقیرم
ولے در کشور معنی امیرم
جہانے کو ز تخم لا الہ است
بیا' بنگر باغوش ضمیرم

عزم حج بیت اللہ کے وقت علامہ چونکہ جسمانی عوارض کے باعث بہت ضعیف اور ناتواں ہو گئے تھے اور خدشہ تھا کہ کہیں ابن سعود انھیں ازکار رفتہ پیر ناتواں نہ سمجھ بیٹھے' اس لیے وہ اپنے آپ کو صاحب جذب و شوق اور سراپا درد بنا کر پیش کرنے کے آرزو مند تھے جو کبھی کمزور پڑنے والا نہ ہو بلکہ ملت اسلامیہ کے ترکش کا بچا ہوا وہ تیر ہو اب بھی کار آمد ہو[66]۔

سراپا درد درماں نا پذیرم
نہ پنداری زبون و زار و پیرم
ہنوزم در کمانے میتواں راند
ز کیش ملتے افتادہ تیرم!

اقبال کی تمنا تھی کہ ملت اسلامیہ کی خدمت اور احیائے اسلام کے لئے ابن سعود کے ساتھ مل کر پورے اخلاص کے ساتھ سرگرم عمل ہو جاتے' مگر سب سے پہلے کوچہ محبوب حجازیؐ میں جذب و شوق کے ساتھ سرگرم فغاں ہوں اور پھر ایک نئے جوش اور ولولے کے ساتھ وادی

یثرب سے کاروان اسلام کو لے کر نکلیں [67]۔

بیا' باہم در آویزیم و رقصیم
زگیتی دل بر انگیزیم و رقصیم
یکے اندر حریم کوچہ دوست
ز چشماں اشک خوں ریزیم و رقصیم

عبدالعزیز ابن سعود ایک بندہ صحرائی تھا لیکن اس کا صحرا بھی کوئی معمولی صحرا نہ تھا ـــــ یہ سرزمین حجاز کا صحرا تھا' وہ صحرا جس کی شام بھی آئینہ رنگ ہوتی ہے اور صبح روشن کی طرح جلوہ تاباں سے سرفراز ہے۔ یہی صحرائے حجاز شتربانوں کا گہوارہ تھا مگر آفتاب رسالتؐ کے طلوع ہونے کے بعد پورے عالم انسانیت کے لئے ہدایت کا مینار بن گیا۔ وہ صحرا جو اقبال کے قلب و ذہن میں مدۃ العمر ایمان و عقیدہ اور فکر و تخیل کے لئے مرکز و محور کے طور پر جلوہ فگن رہا۔ یہی صحرا اس کی امیدوں کا مرکز اور آرزوؤں کی آماجگاہ تھا۔ حجاز کے مرکز سے تعلق رکھنے والا بندہ صحرائی خود بینی و خود شناس و خوددار نہ ہو' اقبال کو یہ ہرگز گوارا نہ تھا۔ غیور فرزند اسلام کی حیثیت سے خود ابن سعود کے لیے یہ بات قابل برداشت نہ تھی۔ مگر توحید پرست بندہ مومن اپنے بھائی سے ملے اور تواصی بالحق و تواصی بالصبر کے فرض منصبی کو فراموش کردے' یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ لہٰذا اقبال اپنے ایک مسلمان بھائی ابن سعود کو یہ نصیحت کرنا ضروری خیال کرتا ہے کہ وہ دنیا کے جس گوشے میں علم جہاد لے جانا چاہتا ہو' لے جائے' جہاں خیمہ زن ہونے کا عزم ہو' اس کے لیے بالکل روا ہے' مگر اپنے خیموں کے لئے غیروں سے طنابیں مانگنا اپنے لیے حرام سمجھے۔

ترا اندر بیابانے مقام است
کہ شامش چوں سحر آئینہ فام است
بہر جائے کہ خواہی خیمہ گستر
طناب از دیگراں جستن حرام است

اقبال کا دل چونکہ نور توحید سے منور تھا' اس لئے تہذیب فرنگ کی ظلمت سامانیاں اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ مدینہ و نجف کی خاک پاک اس کے لیے کحل بصر کا کام دیتی رہی [69]۔ ابن سعود فرزند اسلام اور بندہ صحرائی تھا۔ اس کا دل بھی توحید ربانی کے نور سے مستنیر تھا اس لیے وہ بھی سیاسیات افرنگ کی مکاریوں اور چالبازیوں سے مات کھانے والا نہ تھا۔ لیکن ایک بندہ مومن کی طرف سے اپنے بھائی کی حوصلہ افزائی اور مشورہ و نصیحت بہرحال ضروری تھا' اس لیے اقبال ابن سعود کو تاکید کرتا ہے کہ عصر حاضر کو فاروق اعظمؓ کی چشم بیباک سے دیکھے اور دنیائے انسانیت میں علم توحید کی اس طرح دھاک بٹھا دے جس طرح حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد مبارک میں ملت اسلامیہ نے فتح و ظفر اور عزت و کامرانی کے جھنڈے ہر سو گاڑ دیے تھے [70]۔

زا فرنگی صنم بیگانہ تر شو
کہ پیمانش نمی ارزد بیک جو

نگاہے وام کن از چشم فاروقؓ
قدم بیباک نہ در عالم نو!!

بندہ مومن وارث ارض و سما اور سزاوار تاج خلافت ہے۔ اللہ وحدہ لا شریک کے حضور جس سجدے کا اسے حکم ہے' وہ آدمی کو ہزاروں سجدوں سے نجات دلاتا ہے۔ معبودان باطل بندہ مومن کی نگاہ حق شناس میں پر کاہ کے برابر بھی نہیں[71]۔

مسلمانیم و آزاد از مکانیم
بروں از حلقہ نہ آسمانیم
بما آموختند آں سجدہ' کزوے
بہائے ہر خداوندے بدانیم

✢ ✢ ✢

حواشی

1- بانگ درا، ص 167:

وادی نجد میں وہ شور سلاسل نہ رہا
قیس دیوانہ نظارہ محمل نہ رہا
حوصلے وہ نہ رہے، ہم نہ رہے، دل نہ رہا
گھر یہ اجڑا ہے کہ تو رونق محفل نہ رہا

2- ایضاً، ص 132:

رخت جاں بتکدہ چیں سے اٹھا لیں اپنا
سب کو محو رخ سعدی و سلیمیٰ کر دیں
دیکھ! یثرب میں ہوا ناقہ لیلیٰ بیکار
قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کر دیں

3- ارمغان حجاز، ص 24:

بایں پیری رہ یثرب گرفتم
نوا خواں از سرور عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سر شام
کشاید پر بفکر آشیانہ

4- بانگ درا، ص 159
5- بانگ درا، ص 165،133
6- ارمغان حجاز، ص 34، بانگ درا، ص 198
7- زندہ رود، 38:2
8- ارمغان حجاز، ص 60 تا 62
9- الامام العادل، 3:1
10- ایضاً
11- ایضاً، ص 4
12- ایضاً، مواد تاریخ الوھابیین، ص 9 تا 16
13- ایضاً، ص 10، معجزۃ فوق الرمال، ص 18
14- ایضاً
15- الامام العادل، 15:1، معجزۃ فوق الرمال ص 46
16- معجزۃ فوق الرمال، ص 40 تا 45، الامام العادل، 13:1 تا 15

17- مواد لتاریخ الوھابیین ص 47، الامام العادل 16:1 تا 21
18- معجزۃ فوق الرمال، ص 46
19- مواد لتاریخ الوھابیین، ص 9 تا 31، معجزۃ فوق الرمال، ص 40 تا 45
20- الامام العادل 16:1 تا 21، معجزۃ فوق الرمال ص 47 تا 50
21- ایضاً
22- الامام العادل، 19:1
23- ایضاً
24- ایضاً
25- معجزۃ فوق الرمال ص 47 تا 50، الامام العادل، 20:1 تا 24
26- ایضاً
27- ایضاً
28- الامام العادل، 19:1 تا 22
29- مذکرات الامیر عبداللہ الحسین ص 132، الامام العادل 24:1
30- ایضاً
31- ایضاً
32- الامام العادل، 142:1 تا 156
33- معجزۃ فوق الرمال، ص 18 تا 19، الامام العادل، 41:1 تا 45
34- ایضاً
35- الامام العادل، 43:1
36- ایضاً، ص 143 تا 156
37- ایضاً، ص 44
38- زندہ رود، 38:2
39- ایضاً
40- الامام العادل، 123:1
41- معجزۃ فوق الرمال ص 97
42- الامام العادل، 143:1 تا 156
43- ایضاً
44- ایضاً
45- جزیرۃ العرب فی القرآن العشرین ص 54
46- الامام العادل، 15:1
47- ایضاً، ص 151

48- ایضاً" ص 152
49- ایضاً" ص 153
50- ایضاً" ص 155
51- معجزۃ فوق الرمال ص 101' الامام العادل 115:1
52- ایضاً"
53- الامام العادل' 1:143-156
54- زندہ رود' 3:601
55- کلیات اقبال فارسی' ص 942 تا 944
56- مثلاً" نظام دکن اور دیگر مسلمان نوابوں سے روابط کی کوشش رہی تا کہ اقبال بے فکر ہو کر تعمیر ملت اور خدمت اسلام کا کام کر سکیں۔
57- خوف غیراللہ عمل را دشمن است
کاروان زندگی را رہزن است
58- کلیات اقبال فارسی' ص 894
59- جاوید نامہ' ص 97
60- ایضاً"
61- ایضاً"
62- الامام العادل 1:20
63- القرآن الکریم (80:4)
64- کلیات اقبال فارسی ص 942
65- ایضاً" ص 943
66- ایضاً" 943
67- ایضاً" ص 943
68- ایضاً" ص 944
69- کلیات اقبال' (اردو) ص 332
70- کلیات اقبال (فارسی)' ص 944
71- ایضاً"

اقبال اکادمی پاکستان،
لاہور کی خصوصی پیش کش

کلیاتِ اقبال

اردو

(خاص الخاص ایڈیشن)

- اغلاط سے پاک۔
- مضبوط اور پائیدار جلد مع گولڈن ڈائی خوبصورت حاشیہ۔
- عمدہ اور معیاری کتابت۔
- درآمد شدہ اعلیٰ قسم کا کاغذ۔

قیمت : ۸۰۰ روپے

(ایک نسخے کی خریداری پر بھی ۴۰ فیصد شرح رعایت دی جائے گی)